شبلی - مشرقی ادب کا نمائندہ

نثار ترابی

ABSTRACT:

Allama Shibli Naumani got his education and formal training under the patronage of Sir Syed Ahmad Khan where he became master in oriental and western sciences. He observed western culture very closely and after he made up his mind to save Muslim Ummah from evil impacts of this civilization through all of his faculties of pen and personality. After that, what ever he rendered and wrote, it carried oriental traditions and values. Through History, biography, Criticism, research and poetry like genres , Allama Shibli Naumani criticized very strictly all that is related to western mentality, its culture and civilization. He represented oriental culture and civilization, literature and conventions.

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ دنیا کا ادب دو واضح منطقوں میں تقسیم ہے۔ ایک مشرقی اور دوسرا مغربی۔دونوں منطقوں میں بڑے بڑے شعرا اور ادبا پیدا ہوئے۔مغربی شاعروں، افسانہ نگاروں اور ڈراما نویسوں نے بلاشبہ معیاری اور قابل قدر ادب تخلیق کیا۔لیکن مشرق میں بھی ادب کا معیار کسی طرح کم نہیں رہا۔ البتہ مغرب کے نقادوں اور محققین نے مشرقی ادب کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی اور ہمیشہ اپنے ادب کو ادب عالیہ تسلیم کروانے کے لیے کوششیں کرتے رہے۔مشرق کی چند ایک شخصیات کو تسلیم کیا گیا جن میں اردو کے حوالے سے سرِ فہرست علامہ محمد اقبال ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اقبال سے پہلے اور اقبال کے بعد بھی ایسی شخصیات تھیں اور ہیں جن کے ادبی کارناموں نے مشرق و مغرب دونوں کو متاثر کیا۔ایسی ہی شخصیات میں علامہ شبلی نعمانی بہت زیادہ قابل ذکر ہیں۔ بہت زیادہ اس لیے کہ انھوں نے مغرب زدگی میں مشرقیت کی دستار سر سے نہیں اترنے دی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد سرسید کی علمی تحریک پر مغربیت پوری طرح حاوی تھی۔ اس تحریک سے ہٹ کر بھی عمومی رویے

مغربیت کے زیر اثر تھے اور اس میں عافیت سمجھی جاتی تھی۔ مغربیت کو اپنانا ایک فیشن بھی تھا اور مصلحت بھی۔ اس رجحان اور رویے کے برصغیر میں سب سے بڑے نمائندہ سرسید احمد خاں تھے جو مسلمانوں کو مغرب کی تقلید اور مغربی حکمرانوں کی بڑی حد تک غیر مشروط اور فرماں برداری کا درس دیتے رہے۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی:

''انگلستان سے واپس پہنچ کر ایک طرف تو انھوں نے لندن کے پیغمبروں اور سویلزیشن کے دیوتاؤں (یعنی اسٹیل اور ایڈیسن) کی تقلید میں 'تہذیب الاخلاق' جاری کیا جس کا مقصد ہندوستانیوں کو کامل درجے کی سویلزیشن سکھانا تھا۔ دوسری طرف ۱۸۵۷ء میں علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم قائم کیا اور اگلے سال ملازمت سے پنشن لے کر انگریزوں سے انتہا درجے کی مربوبیت اور غرب زدگی کے ساتھ خود کو مدرسے کی ترقی کے لیے وقف کر دیا۔ ان کی تمام تر اصلاحی اور تعلیمی کاوشوں کا مقصد مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا تھا جو از روئے مذہب تو مسلمان ہو مگر بہ اعتبارِ ذوق و ذہن اور بلحاظ دل و دماغ انگریز ہو...... وہ یہ اندازہ نہ کر سکے کہ انگریزی یا مغربی تعلیم صرف نوشت و خواند یا چند نئے مضامین کی تدریس اور انگریزی تعلیم کی تحصیل تک محدود نہ تھی بل کہ اس تعلیم میں مذہب کا پورا فکر، پورا فلسفہ، پوری تہذیب و ثقافت اور پورا تمدن شامل تھا۔ جدید تعلیم زن کو نازن بنانے اور اس تعلیم کا تیزاب اپنے، اندر انسانی انا، اختیار اور خودی کو پگھلا کر موم بنانے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتا تھا''۔(۱)

سرسید کے ساتھ ساتھ شبلی کا تعلق باپ اور بیٹے یا استاد اور شاگرد جیسا تھا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انھوں نے سرسید سے بہت کچھ سیکھا۔ بقول شیخ اکرام:

''مولوی محمد شبلی نعمانی بہ عمر ۲۶ سال اسسٹنٹ پروفیسر ہو کر علی گڑھ پہنچے تو ۶۷ برس کے سید احمد خاں ان کے لیے بہ منزلہ ایک شفیق باپ کے تھے۔ سرسید نے شبلی کو ایک ہونہار بیٹا سمجھ کر ان کے قیام کا انتظام اپنی کوٹھی کے احاطے میں کر دیا''۔(۲)

سرسید احمد خاں کی شفقت، محبت اور توجہ نے محمد شبلی کو علامہ شبلی نعمانی بنایا کیوں کہ علی گڑھ میں انھیں مطالعے کے لیے بہت زیادہ وقت اور سہولت دستیاب تھی۔ انھوں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا، شبلی بہت محنتی اور جان مار قسم کے انسان تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو آگے بڑھانے اور اپنی علمی ترقی کے لیے 'کماحقہ' محنت اور مشقت کو شعار بنایا۔ اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ اگر شبلی کو سرسید کی صحبت اور علی گڑھ کی فضا میسر نہ آتی تو وہ اتنے نام ور محقق اور ادیب نہ بن سکتے۔ اس حقیقت کا اعتراف وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''سید صاحب نے اپنے کتب خانے کی نسبت عام اجازت مجھ کو دی ہے اس وجہ سے مجھ کو کتب بینی کا بہت عمدہ موقع حاصل ہے۔ سید صاحب کے پاس تاریخ و جغرافیہ، عربی کی چند ایسی کتابیں ہیں جن کی حقیقت میں کیا، بڑے بڑے لوگ بھی نہیں جانتے ہوں گے مگر یہ سب کتابیں جرمنی میں طبع ہوئی ہیں مصر کے لوگوں کو بھی نصیب نہیں''۔(۳)

یہی وہ کتابیں تھیں جن کے مطالعے سے شبلی شمس العلما بنے اور بعد ازاں ایک بہت بڑے علمی ادارے ''ندوۃ العلما'' کے بانی قرار پائے۔ علامہ شبلی کو سرسید کے قریبی ساتھیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شبلی بلاشبہ سرسید کے چار یاروں میں وہ شامل ہیں۔ دیگر تین مصلحین مولانا آزاد، مولانا حالی اور مولانا نذیر احمد کے ساتھ اگر شبلی نعمانی کا نام نہ آئے تو یہ گلدستہ علمی مکمل نہیں ہوتا۔ ان تمام حقائق کے باوجود ایک وقت ایسا آیا کہ علامہ شبلی نعمانی، ذہنی، روحانی، مذہبی اور ادبی لحاظ سے سرسید احمد خاں کے سب سے بڑے مخالف قرار پائے۔ شبلی کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ سرسید کی ساری کوششوں اور کاوشوں کا مقصد محض مغربیت کا فروغ ہے۔ وہ مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو چکے ہیں۔ اپنی سرکاری قدر و منزلت میں اضافے کے لیے وہ اپنے مذہب اور روایات کو خیر باد کہنے میں تامل نہیں کرتے۔ وہ برملا کہنے لگے کہ سرسید کا ادارہ بی۔ اے کی ڈگریوں کا کارخانہ ہے جن کے عوض نئی نسل کو اپنے اسلاف کی روایات کا سودا کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال شبلی اس ادارے اور سرسید کے نظریات سے بہت دور چلے گئے۔ شبلی کے اندر ایک سچا اور راسخ العقیدہ مسلمان سانس لے رہا تھا۔ وہ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی تہذیب وثقافت کے عوض انگریزی تعلیم کی آڑ میں مغربی تہذیب وثقافت میں ڈوب جائیں۔ لہٰذا انھوں نے مشرقی اقدار کو فروغ دینے اور اسلامی تہذیب وتمدن کے احیا کے لیے لکھنؤ میں ندوۃ العلما کی بنیاد رکھی اور اس ادارے کے ذریعے انھوں نے علما کی ایک کھیپ تیار کی۔ جنھوں نے تحقیق وتصنیف کے میدان میں قابلِ ذکر کارنامے انجام دیے۔

شبلی سرسید کی حمایت میں سب سے بڑے عالم دین کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا اندازِ تحریر خالص تحقیقی اور توضیحی تھا۔ انھوں نے مشرق کی ان اقدار کو اُجاگر کرنے کا بیڑا اٹھایا جن کا تعلق اسلام کی عظمت وشوکت سے تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے سیرۃ النبیؐ پر قلم اٹھایا اور اس کی نسبت سے مسلمانوں کے قرونِ وسطی پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اس کتاب کے ذریعے انھوں نے علمی وادبی تحقیق کے قابلِ عمل اصول وضع کیے اور اس کے ساتھ ساتھ مغربی ادیبوں اور نقادوں کے متعدد اعتراضات اور سوالات کے محققانہ جوابات دیے۔ اس حوالے سے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> ''یورپ کی غلط بیانیوں کا ایک دفتر ہے۔ ان کے ایک ایک حرف کے لیے سیکڑوں ورق الٹنے پڑتے ہیں۔ یہ کم بخت لکھتے تو جھوٹ ہیں لیکن بے پتا نہیں لکھتے۔ یہاں ہمارے سیرت نگاروں نے خود بہت بے احتیاطیاں کی ہیں''۔ (۶)

تاریخ کے ضمن میں انھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس میں تاریخی حقائق کی توضیح وتوجیہ کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے لیے خاص مواد بھی فراہم کیا جس سے ان کے دل و دماغ کی صفائی مقصود تھی۔ اسلامی مشاہیر کے کارنامے بیان کرتے ہوئے بھی انھوں نے یورپی مصنفوں کے خلاف مدافعانہ اور جارحانہ دونوں طرح کا انداز اختیار کیا۔ انھوں نے مخالفین کی تحریر کا مدلل جواب دیا اور اس انداز سے کہ مخالفین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ بقول سید سلیمان ندوی:

> ''ایسے ہوش مند حریفوں کے مقابلے کے لیے ساری دنیا کے اسلام میں سے جو شیر دل اسلام کی صف سے سب سے پہلے نکلا وہ شبلی ہی تھے۔ انھوں نے انھی کی طرح سے ان ہی کے

اسلوب پر ان کو جواب دینا شروع کیا اور بتایا کہ اسلام کے فیض و برکت کی فرح بخش ہواؤں نے دنیا کے علم وتمدن کی بہاروں کو کیسے دوبالا کیا اور یونانیوں، ایرانیوں اور ہندوستانیوں کے مردہ علوم میں کیونکر اپنی محنتوں اور تحقیقوں سے جان ڈالی''۔(۵)

اس طرح مولانا شبلی نعمانی نے ہر مقام اور ہر سطح پر یورپی نقادوں اور تاریخ نویسوں کے اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے حقائق سے پردہ اٹھایا اور اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حقیقی تصویر پیش کی۔ اس طرح مشرق کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔شبلی بیک وقت ایک مورخ، ایک نقاد، ایک سوانح نگار، ایک شاعر اور سفرنامہ نگار تھے۔ انھوں نے تاریخ لکھی تو مشرق کی روایات وتمدن کو سامنے رکھا۔ انھوں نے تنقید نگاری کی تو مشرق کی شعری مسلمات کا حقیقی معنوں میں تعارف کروا دیا اور ایک ایسی معرکہ آرا تصنیف سامنے لائے جو **شعر العجم** کے نام سے آج بھی مختلف جامعات میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے پوری فارسی شاعری کی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شاعری کے محاسن ومعائب پر تفصیلی بحث بھی کی گئی۔

سوانح نگاری میں علامہ شبلی نے ایسی شخصیات کا انتخاب کیا جو اسلام کے حقیقی ہیرو اور مشرق کے مثالی حکمران تھے۔ ان کی شاعری کے موضوعات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے مشرق کے خلاف مغرب کی سیاسی چالوں اور ریشہ دوانیوں پر قلم اٹھایا ہے۔مختلف مشرق ممالک بہ شمول ہندوستان پر ہونے والے مظالم کو شاعری کا موضوع بنا کر انھوں نے دنیا کے انصاف پسندوں کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔ ترکی، قبرس، طرابلس، بلقان وغیرہ کے مسائل کو منظّم کیا، سفرنامے کا مقصد بھی یہی تھا کہ مشرق ومغرب کی روایات کا تقابلی جائزہ لیں۔ انھوں نے اپنے سفر میں مشرق کے آئینے میں مغرب کا حقیقی چہرہ دیکھا اور اس چہرے کے خدوخال کو نئے الفاظ میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش کی۔ الغرض انھوں نے جس صنفِ ادب کو اپنایا اسے مغرب کے خلاف ایک موثر آواز میں تبدیل کر دیا۔ بہ قول ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی:

''مغرب کے خلاف آواز اٹھانے والوں محض اکبر اور اقبال کا نام لے لینا اور شبلی کو نظرانداز کر دینا شبلی کے ساتھ زیادتی ہو نہ ہو انصاف کے ساتھ انصاف ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ جہاں تک مشرق اور مغرب آمیزش اور آویزش کا تعلق ہے غور کیجیے اور انصاف سے کہیے تو یہی کہنا پڑے گا کہ اکبر، اقبال اور شبلی تینوں ایک ہی جذبے سے سرشار ایک ہی منزل کی طرف رواں ہیں''۔(۶)

شبلی کی تصانیف، تقاریر اور نظریات وعقائد کے پیشِ نظر مولانا الطاف حسین حالی نے انھیں مشرقی ادب اور تہذیب کا حقیقی نمائندہ قرار دیتے ہوئے ان الفاظ میں اعترافِ حقیقت کیا:

ادب اور مشرقی، تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحیدِ عصر و یکتائے زمن دیکھیں

حوالے:

۱۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر، سرسید، ''شبلی اور مغرب''، مضمون مشمولہ **صحیفہ** لاہور، جولائی، دسمبر ۲۰۱۴ء، ص ۵۹۹۔

۲۔ شیخ محمد اکرام **یادگارِ شبلی**، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۹۷۔

۳۔ شبلی نعمانی، علامہ، **مکاتیب شبلی** جلد اوّل (مرتبہ) سید سلیمان ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۰۸ء، ص ۵۶-۵۷۔

۴۔ شبلی نعمانی، علامہ، **سفر نامہ روم و مصروشام**، آگرہ ۱۸۹۴ء، ص ۲۔

۵۔ ندوی، سید سلیما، **حیات شبلی**، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء، ص ۲۵۔

۶۔ آفتاب احمد صدیقی، ڈاکٹر، ''بارسخن شناس''، مضمون مشمولہ **صحیفہ**، لاہور، جولائی دسمبر ۲۰۱۴ء، ص ۲۔